اردو لغت نویسی کے ارتقا میں سر سید احمد خان کی لغت زبان اردو کا کردار

بی بی اَمینہ

ABSTRACT:

Sir Syed Ahmed Khan was a well known Muslim scholar, reformist, educationist and writer of Persian, Arabic and Urdu languages. He is often described as two nation theory founder. He awakened the Muslims for the revival of their past position. His contribution is multi dimensional, ranging from practical efforts in the field of education and socio-political awareness to theoretical views in religion and literature. One of his contributions towards Urdu language was his lexicography. In 1868 Sir Syed Ahmed Khan started to compile an Urdu dictionary named *Lughat-e-Zaban-e-Urdu* and published its contents in *Aligarh Institute Gazette* but later he could not complete it. This write up deals with the critical evaluation of Sir Syed's *Namoona-e-Lughat-e-Zaban-e-Urdu* and also highlights its significance in the history of Urdu lexicography.

سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۸ء) جدیدیت کے علم برداروں میں ایک نمایاں حیثیت کے حامل دانش ور اور مصلح قوم تھے جو تقلید کی روش کو ترک کر کے تقریباً تمام شعبہ ہائے زندگی کو نئی سوچ اور نئی ڈگر پر گامزن کرنے میں کوشاں رہے۔ جس عہد میں انھوں نے اپنی عملی کوششوں کا آغاز کیا وہ خارجی حقایق اور واقعات کے لحاظ سے ایک بڑا کٹھن دور تھا۔ ان کا سامنا ایک ایسی شکست خوردہ قوم سے تھا جس میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی خواہش دم توڑ چکی تھی۔ اقتدار کی تبدیلی عمل میں آ چکی تھی، جس سے نہ صرف سماجی اور معاشرتی زندگی کے تمام شعبے متاثر ہو رہے تھے بل کہ ادبی تصورات میں بھی تغیرات رونما ہو رہے۔ یہ نئے تصورات ادب سے ایک منفعل اور فعال قوت بننے کا مطالبہ کر رہے تھے، جس میں زندگی کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ اصلاح، تعمیر، مقصدیت اور حقیقت پسندی کے جملہ عناصر موجود ہوں۔ ان حالات میں سر سید احمد خان نے تہذیبی اور سماجی زندگی کو درپیش خطرات سے نپٹنے کے

لیے راہ سجھائی۔انھوں نے قوم کو حالات کے تقاضوں سے آگاہ کیااور اس کے لیے جو لائحۂ عمل تیار کیا وہ اس عہد کے مروجہ طریقوں سے اس قدر مختلف تھا کہ ان کو آغاز ہی سے مخالفتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ ثابت قدمی سے نہ صرف خود منزل مقصود کی جانب بڑھتے رہے بل کہ اپنے رفقائے کار کی مدد سے اپنے متعین کردہ مقاصد کو حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہیجن میں سے ایک مقصد جدید علوم پر مبنی تعلیم کے ذریعے عقلیت پسندی اور سائنسی طرز فکر کو فروغ دینے کا مشن تھا۔اس مشن کے لیدیگر کاوشوں کے ساتھ ساتھ سائنٹفک سوسائٹی (۱۸۶۲ء) کا قیام عمل میں آیاجس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل قرار دیے گئے:

۱۔ ان علوم وفنون کی کتابوں کا، جو انگریزی یا یورپ کی کسی اور زبان میں ہونے کی وجہ سے ہندوستانیوں کی سمجھ سے باہر ہیں،

ایسی زبانوں میں ترجمہ کرنا جو ہندوستانیوں کے عام استعمال میں ہوں۔

۲۔ کوئی ایسا اخبار،گزٹ،روزنامچہ یا میگزین وغیرہ چھاپ کر مشتہر کرنا،جس کا مقصد ہندوستانیوں کی فہم و فراست کی ترقی

ہو۔

۳۔ایشیا کے قدیم مصنفین کی کم یاب اور نفیس کتب کو تلاش کر کے ان کی فراہمی ممکن بنانا۔(۱)

ان مقاصد سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف علوم وفنون جدیدہ کی کتابوں کی تالیف و ترجمہ اس سوسائٹی کا سب سے اہم مقصد تھا، جس کے تحت تقریباً چالیس علمی اور تاریخی کتب انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی گئیں۔(۲)ان کے علاوہ دو کتابوں کی تالیف کی ذمے داری خاص طور پر سر سید نے اپنے سر لی۔جن میں سے ایک بہ طور تاریخ زبان اردو،نظم ونثر کی ان مطبوعہ کتابوں کی ایک مکمل فہرست تھی، جو اردو زبان و ادب کی ابتدا سے عہد سر سید تک منظر عام پر آ چکی تھیں۔مذکورہ فہرستِ کتب میں نامِ کتاب، نامِ مصنف مع مختصر حالات زندگی، مؤلف یا مترجم کا نام، سنہ تصنیف، کتاب کا اسلوب بیان، مختلف مقامات سے عبارات کتب کے منتخب کردہ نمونے اور بعض مضامین کا خلاصہ جیسی تفصیلات کو شامل کرنا مقصود تھا۔(۳) جب کہ دوسری کتاب اردو زبان کے ایک ایسے جامع لغت کی تدوین سے متعلق تھی،جس میں ہر لفظ کی صرفی حیثیت،اس کے معنی،تفصیل وتشریح اور اساتذہ کے کلام سے اسناد شامل ہوں۔ان دونوں منصوبوں کا ذکر انھوں نے ۹ رمئی ۱۸۶۸ء کو سر ولیم میور،لیفٹننٹ گورنر صوبہ جات شمال مغرب،کو پیش کردہ ایڈریس میں بھی کیا۔(۴) لیکن سر سید جیسی کثیر الجہات شخصیت کی دیگر مصروفیات کے باعث فہرستِ کتب کا تو آغاز ہی نہ ہوسکا البتہ اردو کی ایک جامع لغت کی تدوین کے منصوبے پر، جسے انھوں نے لغت زبان اردو کا نام دیا، کسی قدر توجہ ضرور کی۔نتیجتاً اس کے ابتدائی اجزا پر مشتمل چند اوراق بہ طور نمونہ ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' میں شائع ہوئے۔(۵)

بہتر نتائج کے لیے سر سید احمد خان نے اپنی لغت کے ابتدائی حصے کے ۴ صفحات معروف مستشرق گارسیں دتاسی (۱۷۹۴ء۔۱۸۷۸ء:Garcin de Tassy) کو بھی ارسال کیے۔جس کا ذکر انھوں نے اپنے خطبے(دسمبر

۱۸۶۹ء) میں کیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اولاً سرسید احمد خان نے اپنی لغت کے لیے ایک پرانا یورپین نام تجویز کیا تھا، لیکن گارسیں دتاسی اور ایس۔ ہاویل(S.Howell) کے مشورے پر اس کا انگریزی نام ترک کر کے لغت زبان اردو رکھ دیا گیا اور اب بھی اس کا یہی نام ہے۔

سرسید کے اس نمونۂ لغت کی اشاعت کے بعد اس پر ایک تنقید علی گڑھ اخبار میں ۵رفروری ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ راقم الحروف کو وہ شمارہ نہیں مل سکا تاہم اس کے کچھ اجزا گارسیں دتاسی کے خطبے میں ملتے ہیں، جس میں انھوں نے لغت کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے مذکورہ تنقید کی مذمت کی ہے۔(٦) اس کے علاوہ اس موضوع پر دو مضامین ملتے ہیں، جن میں پہلا مضمون بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا ہے جو ''سرسید احمد خاں مرحوم کی مجوزہ اردو لغات کا نمونہ'' کے عنوان سے سہ ماہی اردو کے ۱۹۳۵ء کے شمارے میں شامل ہے۔(۷) اس مضمون میں مجوزہ لغت کے تعارف اور خصوصیات کے مختصر بیان کے بعد اس کا جس قدر نمونہ دستیاب تھا اسے نقل کیا گیا ہے۔ دوسرا مضمون ''نمونہ لغت زبان اردو'' کے عنوان سے شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے تحریر کیا ہے (۸)اس میں لغت کے تعارف اور اس کے نمونے کے بعد، جو مولوی عبدالحق کے مضمون سے ہی نقل کردہ ہے، لغت سے متعلق گارسیں دتاسی کی رائے دی گئی ہے۔موضوع کے بارے میں کسی قدر معلومات حیات جاوید(۹)،سرسید کا علمی کارنامہ(۱۰) سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ(۱۱) اور اردو لغت(یادگاری مضامین)(۱۲) میں بھی ملتی ہیں۔لیکن ان میں سے بیش تر مضامین تعارفی نوعیت کے ہیں جن میں ایک ہی قسم کی معلومات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔مزید برآں ان میں سرسید کے اس نمونۂ لغت پر ایک بھی ایسا تبصرہ نہیں ملتا جو اس کے محاسن و معائب کو تفصیل سے بیان کر سکے۔لہٰذا اسی امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے زیر نظر مقالے میں نہ صرف اردو لغت نویسی کے ارتقا میں لغت زبان اردو کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے بل کہ لغت کے دستیاب مشمولات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے:(۱۳)

لغت اردو کا یہ نمونۂ سرسید حرف الف اور الف ممدودہ کے ۸۸ لغات پر مشتمل ہے۔جن میں مفردات، مرکبات، مشتقات، محاورات اور رسومات سے متعلقہ اندراجات شامل ہیں۔جس قدر نمونہ شائع ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نامکمل نمونہ ہے کیوں کہ آخری اندراج'' آرسی مصحف'' کی تفصیلات اس لغت کے دستیاب تمام نمونوں میں ادھوری ہیں تاہم اندراجات کا تنوع سید صاحب کی محنت اور مہارت زبان پر دلالت کرتا ہے۔

اندراجات کے تعین کے بعد اگلا مرحلہ ترتیب اندراجات کا ہے۔سرسید نے''الف مقصورہ'' اور''الف ممدودہ'' کی تقطیع الگ الگ قایم نہیں کی بل کہ حرف'' الف'' کی وضاحت، اس کی تفصیلات اور استعمال کے بیان کے فوراً بعد''الف ممدودہ'' کے ۸۷ لغات درج کر دیے ہیں۔جس کا بہ ظاہر تو کوئی سبب سمجھ نہیں آتا لیکن اس بے ترتیبی کو لغت کا کمزور ترین پہلو ضرور قرار دیا جا سکتا ہے۔

اندراجی ترتیب میں راس الفاظ کے تحت ذیلی اندراجات درج کرنے کے بجائے تمام مفردات، ان کے مرکبات، مشتقات اور محاورات وغیرہ کو علاحدہ علاحدہ درج کیا گیا ہے۔ با الفاظ دیگر مفردات سے بننے والے تمام

مرکبات محاورات اور فقرات وغیرہ کو بنیادی لفظ کے طور پر درج کرنے کے بعد دوسرے مفردات کے مرکبات اور محاورات وغیرہ کا اندراج کیا گیا ہے۔اس لیے لغت میں لغات اوران کے ذیلی اندراجات کے مابین بنیادی اور مستخرج یا مشتق کا امتیاز نظر نہیں آتا مثلاً 'آراستگی'، 'آراستہ ہونا'، 'آراستہ' اور 'آراستہ کرنا'، سب بنیادی الفاظ کے طور پر دیے گئے ہیں۔

متحد الحروف اور متحد الصوت لیکن مختلف الاصل اور مختلف المعنی الفاظ کی وضاحت میں احتیاط نظر آتی ہے مثلاً 'آب' (بمعنی پانی)، 'آب دار'، 'آب دارنی'، 'آب دار خانہ'، 'آب خورہ'، 'آب حیات'، 'آب خاصہ'، 'آب حیوان'، 'آب شور'، 'آب شورہ'، 'آب بقا'، 'آب پاشی'، 'آبی' اور 'آبی روٹی' کے بعد پھر سے 'آب' (بمعنی صفائی اور براقی) کا ذکر آجاتا ہے۔ اسی طرح 'آپا' (بمعنی ذات، نفس) اور 'آپا دھاپی' کا اندراج کرنے کے بعد پھر 'آپا' (بمعنی بڑی بہن) شامل کیا گیا ہے۔ اس طریقۂ کار کی بدولت ناظر لغت کے لیے یہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بہ آسانی اپنے مطلوبہ لفظ اس کے مشتقات اور معنی تک پہنچ سکتا ہے۔لیکن اگر مشتقات یا ذیلی اندراجات کا بہ غور جائزہ لیا جائے تو ان میں ہجائی ترتیب کے حوالے سے عدم توجہی ملتی ہے مثلاً 'آب' (بمعنی صفائی اور براقی) کے بعد 'آب دار'، 'آب داری'، 'آب کار'، 'آب کاری'، 'آباد'، 'آبادی'، 'آباد ہونا' اور 'آباد کرنا' کے بعد پھر 'آب تاب' کا اندراج کیا گیا ہے۔مؤخر الذکر کا اندراج 'آب' کے مشتقات کے ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا۔مزید یہ کہ ہجائی ترتیب کے لحاظ سے 'آباد کرنا' کے بعد 'آباد ہونا' آنا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔

نمونۂ لغت میں کہیں بھی تلفظ کی نشان دہی نہیں کی گئی۔تاہم اختصارات میں ایک آدھ مقام پر اختلافِ تلفظ کی طرف اشارہ ملتا ہے جس کا تعلق املا کے ساتھ بھی ہے۔ سر سید نے یاے معروف اور یاے مجہول میں امتیاز قایم کرنے کے لیے دو علامات وضع کی ہیں:

ضمہ اور کسرہ اور واؤ اور یاے معروف۔ف

ضمہ اور کسرہ اور واؤ اور یاے مجہول۔ل (۱۴)

ان علامات کا استعمال کرتے ہوئے جن لغات کا تلفظ اور املا واضح کیا گیا ہے ان کی امثال پیش خدمت ہیں:

آٹھواں۔ص۔م۔

آٹھویں۔ف۔ص۔ث۔(۱) صفت اس معدود کی جس سے یہ عدد پورا ہوتا ہیاور جو سات کے بعد آتا ہے۔مثلاً آٹھواں گھوڑا یعنی وہ گھوڑا جو سات گھوڑوں کے بعد ہے۔

(۲) درجہ۔مرتبہ۔خواہ با اعتبار ترقی کے ہو خواہ با اعتبار تنزل کے۔مثلاً فلاں شخص امتحان میں آٹھواں رہا۔

آٹھویں۔ل۔ص۔م۔بمعنی آٹھواں جب کہ اپنے موصوف کے ساتھ ہو، مثلاً آٹھویں دن آنا۔آٹھویں درجہ پر منتخب ہوا۔(۱۵)

تلفظ و املا کی نشان دہی کا یہ ایک قابلِ فہم لیکن پیچیدہ طریقۂ کار ہے۔ علاوہ ازیں املا کے تعین میں کچھ مسایل بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً:

۱۔قدیم املا میں عام طور پر افعال کی جو مختلف اشکال استعمال ہوتی تھیں، اس لغت میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں مثلاً 'فرماویں'، 'بتاوے'، 'ھو جاوے' وغیرہ۔

۲۔ ہائے مخلوط اور ہائے کہنی دار کے املا میں بے ترتیبی ہے۔ ان کے افتراق و امتیاز کے لیے کوئی اصول پیش نظر معلوم نہیں ہوتا۔ بے شمار ایسے مقامات ہیں جن میں ہائے مخلوط کو ہائے کہنی دار اور کہنی دار کو ہائے مخلوط تحریر کیا گیا ہے۔ مثلاً 'ھندوستان'، 'لوھے'، 'ھے'، 'ھیں'، 'رھا'، 'چاھئیں'، 'دولہہ'، 'دولہن'، 'ادہ کچرا' وغیرہ۔

۳۔کہیں کہیں اعراب بالحروف کا استعمال بھی ملتا ہے مثلاً 'پورانے'، 'پہو نچا' وغیرہ۔

۴۔بیش تر مقامات پر امالے کا عمل نہیں پایا جاتا مثلاً 'آٹھویں درجہ پر منتخب ہوا'، 'مساوی درجہ اور کم درجہ کے مخاطب کے ساتھ وہ لفظ نہیں بولے جاتے'۔ لیکن بعض مقامات پر اس کی مثالیں موجود ہیں مثلاً 'پہلے جملے سے یہ مراد ہے'، 'جس کو کسی چیز کے چوکھٹے میں جڑ دیتے ہیں' وغیرہ۔

جہاں تک قدیم املا میں افعال کی اشکال کا تعلق ہے تو عہد سرسید میں 'فرماویں'، 'بتاوے' اور 'جاوے' جیسے الفاظ رائج تھے اس لیے لغت میں ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں تاہم معیار اور عدم یکسانیت جیسے مسایل ضرور پائے جاتے ہیں لیکن اس ضمن میں یہ امر بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ عہد سرسید تک املا کے وہ اصول وضع ہی نہیں ہوئے تھے جو آج مروج ہیں۔ مزید برآں املا کا اختلاف لغت نویسی کا اہم ترین اور ایسا مسئلہ ہے جو آج تک حل نہیں ہو سکا۔

لغت زبان اردو میں لغات کی تذکیر و تانیث اور واحد جمع کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کی قواعدی حیثیت پر بہ طور خاص توجہ دی گئی ہے۔ اس کی ایک وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ سرسید کی پہلی تصنیف ہی صرف و نحو زبان اردو سے متعلق تھی اس لیے ان کی اردو قواعد پر گہری نظر تھی۔ (۱۶) علاوہ ازیں اس امر کا اندازہ الفاظ کی صرفی حیثیت کی توضیح اور وضاحت کے لیے اختیار کی گئی علامات اور اختصارات سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو درج ذیل ہیں:

جمع۔ ج

لفظ خطاب۔ ل خ

ضمیر متکلم۔ ض م

ضمیر حاضر۔ ض ح

ضمیر غائب۔ ض غ

ضمہ اور کسرہ اور واؤ اور یائے معروف۔

ضمہ اور کسرہ اور واؤ اور یائے مجہول۔ ل

ظرف زماں۔ ظ ز

ظرف مکاں۔ ظ م (۱۷)

اسم۔ س

مذکر۔ م

مؤنث۔ ث

مصدر۔ صد

لازم۔ لا

متعدی۔ مت

متعدی ایک مفعول سے زاید۔ مت مت

صفت۔ ص

مفرد۔ د

لغت میں قواعدی حیثیت کا تعین لغات کے اردو معنی کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ تمام اندراجات کو ممکنہ حد تک ہر زاویے سے پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے یعنی اگر کوئی لفظ ایک سے زیادہ قواعدی حیثیتوں کا حامل ہے تو تمام حیثیتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں قواعدی نوعیت کی نشان دہی میں ان مصادر کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے جو اپنے اصل معنوں کے علاوہ اردو محاورات میں مختلف معنی و مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں اور جن سے اہل زبان تو واقف تھے لیکن چوں کہ باقی طبقات کے لیے ان کی تفہیم میں مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں اس لیے انھیں اولاً مصدر، فعل لازم یا فعل متعدی قرار دیا گیا ہے۔ بعد ازاں ان کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً:

آداب بجا لانا۔ صد۔ لا۔ یعنی وہ فعل کرنا جس سے اس شخص کی جو مستحق تعظیم کا ہے تعظیم ادا ہوتی ہے۔ مغلیہ سلطنت میں جب بادشاہ کے سامنے کوئی حاضر ہوتا تھا تو چوب دار نہایت خوش آوازی سے پکارتا تھا آداب بجا لاؤ جہاں پناہ بادشاہ سلامت، عالم پناہ بادشاہ سلامت۔ پہلے جملے سے یہ مراد ہے کہ وہ فعل کرو جس سے تعظیم ادا ہوتی ہے اور باقی جملے دعائیہ ہیں۔ (۱۸)

قواعدی حیثیت کے بعد لغات کے معنی کی وضاحت کی گئی ہے۔ معنوی صراحت لغت کا سب سے اہم حصہ متصور ہوتا ہے کیوں کہ لغت کی خوبی یا خامی کا معیار عموماً اس کے معنی پر ہوتا ہے۔ مزید براں لغت سے استفادہ کرنے والوں میں ہر علمی طبقے کے افراد ہو سکتے ہیں لہٰذا معنی کی وضاحت میں ان کیطبقات اور مدارج کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ سر سید کا مرتب کردہ نمونہ دیکھ کر ہی معلوم ہوتا ہے کہ لغت کے قارئین اور تمام طبقات ان کے پیش نظر تھے اسی لیے انھوں نے معنی کے بیان میں صفائی اور صراحت سے کام لیا ہے۔ کثرتِ استعمال کے لحاظ سے معنی کی ترتیب کی گئی ہے اور ایک سے زاید معنی کی صورت میں عمومیت سے خصوصیت کے اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے مثلاً:

آب حیات۔ س۔ م۔ (۱) وہ پانی جس کا ذکر کہانیوں میں ہے کہ جس کے پینے کے بعد موت نہیں آتی۔

(۲) بادشاہوں اور امیروں کے پینے کے پانی کا نام جو نیک فال سمجھ کر لیا جاتا ہے۔(۱۹)

آبادی۔س۔ث۔(۱) بستی۔یعنی وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہو کر رہتے ہیں۔ج۔آبادیاں۔آبادیوں

(۲) فعل ایک جگہ رہنے کا۔مثلاً دلی میں آبادی ہوتی جاتی ہے۔(۲۰)

امثال سے واضح ہوتا ہے کہ لغات کی وضاحت کے لیے مترادفات یا رائج اور مستعمل معنی درج کرنے کے بعد توضیحی یا تشریحی طریقۂ کار اپنایا گیا ہے۔مترادفات کے اندراج میں احتیاط کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف قریب المعنی یا ہم معنی الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو ایک ترقی یافتہ اور سائنٹفک طریقہ ہے۔مترادفات اور تشریح کی تقدیم و تاخیر کی پورے نمونے میں پابندی کی گئی ہے اور معنی کی بہتر تفہیم کے لیے لفظ کی تشریح کرنے کے بعد اس سے بننے والے مرکبات اور محاورات بھی درج کر دیے گئے ہیں جو معمولی سے رد و بدل سے معنی میں ہونے والے تغیرات کی نشان دہی کرتے اور ان کا محل استعمال ہی نہیں بتاتے بل کہ کسی بھی لفظ کے درست معنوں تک ایک عام ناظرِ لغت کی رسائی کو بھی ممکن بناتے ہیں۔مثلاً:

آباد کرنا۔مت۔بسانا

آباد کروانا۔مت مت۔بسوانا۔

گھر کا آباد ہونا۔لوگوں کا اس میں رہنا۔

دل کا آباد ہونا۔طمانیت سے ہونا۔

باغ کا آباد ہونا۔سرسبز و شاداب ہونا۔

مسجد کا آباد ہونا۔آراستہ رہنا اور کثرت سے نمازیوں کا نماز پڑھنے کو آنا۔(۲۱)

تاہم کہیں کہیں معنی کے بیان میں تکرار بھی ملتی ہے کیوں کہ ایک مرتبہ لفظ کی وضاحت کرنے کے بعد محاورات یا مرکبات کی تشریح میں اُنھی معنوں کو دہرایا گیا ہے۔

معنی کی وضاحت کے بعد سرسید نے اسناد و امثلہ کے لیے اشعار کا استعمال بھی کیا ہے جسے اپنے عہد سے لحاظ سے ان کی لغت کی ایک اہم خاصیت کہا جا سکتا ہے۔مستند اساتذہ کے کلام کو معیار قرار دیتے ہوئے جا بجا میرؔ، دردؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، آہیؔ، ظفرؔ اور آفتابؔ سے استدلال کیا گیا ہے۔تاہم نثری امثال کا استعمال زیادہ ہے جو کسی معتبر ماخذ سے اخذ کرنے کے بجائے خود وضع کی گئی ہیں مثلاً؛ آپ' کے معنی نمبر۲ اور ۳ میں لکھتے ہیں:

> (۲) اسی لفظ سے مساوی درجہ کے مخاطب کو بل کہ اپنے سے کم درجہ کے مخاطب کو بھی خطاب کیا جاتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ جب مخاطب بزرگ اور قابل ادب ہے تو اس کے ساتھ تعظیم کے اور لفظ بھی بولے جاتے ہیں اور مساوی درجہ اور کم درجے کے مخاطب کے ساتھ وہ لفظ نہیں بولے جاتے مثلاً آپ جو فرماویں وہی ٹھیک ہے،آپ جو کہیں وہی ٹھیک ہے۔۔۔۔(۳) کبھی کم درجہ کے ایسے مخاطب کو جو اس خطاب کے لایق نہیں ہے بطور طنز کے اس لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔کبھی اس خطاب کے لایق مخاطب کو طنزاً اس سے خطاب کیا جاتا ہے اور الفاظ ما

بعد اور لہجہ تلفظ اس پر دلالت کرتا ہے،مثلاً آپ بھی خوب ہیں۔(۲۲)

کسی بھی جامع لغت میں عموماً معانی اور اسناد کے بعد الفاظ کی اصل اور اشتقاق سے بحث کی جاتی ہے۔اس حصے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی لفظ کس زبان سے تعلق رکھتا ہے؛اس کی ابتدائی شکل کیا تھی؛ اردو زبان کا حصہ بن کر اس نے کیسی شکل اختیار کی اور مختلف ادوار میں اس کے معانی اور مفہوم میں کیا تغیرات رونما ہوئے؟لیکن سر سید کی لغت کا یہ وہ واحد حصہ ہے جس کے متعلق گارسیں دتاسی، ولیم ہنڈ فورڈ(William Handford)اور مولوی عبدالحق نے تاسف کا اظہار کیا ہے کہ نمونۂ لغت اس اہم ترین صفت سے عاری ہے یعنی اس میں الفاظ کی اصل سے اغماض برتا گیا ہے اور یہ درست بھی ہے۔(۲۳) لغت کے عربی ٹائپ کے متعلق بھی سر سید کو مشورہ دیا گیا ہے کہ ٹائپ کے حروف باریک ہیں انھیں موٹا ہونا چاہیے۔مزید برآں گارسیں دتاسی کے خطبے میں کسی نا معلوم نقاد کے حوالے سے ایک اعتراض پر مبنی یہ بیان بھی ملتا ہیکہ اردو زبان سنسکرت،عربی اور فارسی سے بنی ہے اس لیےمقامی افراد کی معاونت کے لیے ان زبانوں کی الگ الگ لغات تیار کرنی چاہییں،ہندوستانی الفاظ کی لغات کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ عام بول چال اور روز مرہ کا حصہ ہیں۔(۲۴)

پہلے دو اعتراضات یا سفارشات پر نظر ثانی کی جائے تو ان میں لغت نویسی کے جدید اصولوں کے حوالے سے معقولیت نظر آتی ہے۔ایک جامع لغت میں لسانی ماخذ اور اشتقاق کا بیان نا گزیر ہے کیوں کہ اس کی مدد سے نہ صرف لفظ کی مکمل تاریخ سے آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے بل کہ لغت کے اعتبار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔جب کہ عربی ٹائپ کے حروف کی باریکی لغت بینوں کے لیے تکلیف کا باعث ہوسکتی ہے اس لیے اس نقص کی اصلاح بھی ضروری ہے،لیکن جہاں تک مؤخر الذکر اعتراض کا تعلق ہے تو اس کا تسلی بخش اور مدلل جواب خود گارساں دتاسی نے یہ کہہ کر فراہم کیا ہے کہ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ چوں کہ فرانسیسی زبان لاطینی سے نکلی ہے اس لیے فرانسیسی زبان کی لغت کی ضرورت نہیں بل کہ لاطینی ہی کافی ہے اسی طرح سیکسن اور فرانسیسی زبان کی لغات کی موجودگی میں انگریزی لغت کی بھی ضرورت نہیں کہ ان دونوں سے کام نکل سکتا ہے۔(۲۵)

علاوہ ازیں سر سید کے نمونۂ لغت کیغیر مفید ہونے پر مذکورہ نقاد کی طرف سے اٹھایا جانے والا سوال کس حد تک ناروا ہے اس کا اندازہ عہد سر سید سے لے کر عہد حاضر تک کی اردو لغت نویسی کی تاریخ کے تناظر میں بھی بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے، جسے پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا دور اُن عربی اور فارسی زبان کی کتب پر مشتمل ہے جن میں اردو کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ان میں طبقات ناصری، تاریخ فیروز شاہی،قرآن السعدین اور مفرح القلوب وغیرہ شامل ہیں۔اگرچہ ان کتب کو باقاعدہ لغت نویسی کے ذیل میں شمار نہیں کیا گیا، تاہم اردو لغت کے ابتدائی نقوش ضرور تلاش کیے گئے ہیں۔دوسرا دور قصیدہ در لغات ہندی، خالق باری اور لغات گجری جیسی ان منظوم لغات یا نصاب ناموں کا ہے،جن میں اردو الفاظ کے عربی اور فارسی مرادف کا اندراج ہے۔دور سوم اردو بہ فارسی لغات کا ہے جس میں اردو الفاظ تو شامل ہیں لیکن ان کی وضاحت یا مترادفات فارسی زبان میں دیے گئے ہیں۔ایسی لغات میں غرائب اللغات، کمال عترت اور عجائب اللغات وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔چوتھے دور کا آغاز اس

وقت ہوا جب انگریز ہندوستان میں بہ سلسلۂ تجارت وارد ہوئے اور اپنے سیاسی، سماجی اور تجارتی اور تبلیغی مقاصد کے لیے زبان سیکھنے کی طرف خصوصی توجہ کی۔ نتیجے کے طور پر قواعد اور دیگر کتب کے ساتھ مستشرقین کی کئی لغات بھی منصۂ شہود پر آئیں، جن میں جان شیکسپیئر (۱۷۷۴ء۔۱۸۵۸ء)، ڈنکن فوربس (۱۷۹۸ء۔۱۸۶۸ء)، ڈاکٹر ایس۔ڈبلیو۔فیلن (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۸۰ء) اور سر جان۔ٹی۔پلیٹس (۱۸۳۰ء۔۱۹۰۴ء) کی اردو بہ انگریزی لغات زیادہ اہم تصور کی جاتی ہیں۔ جب کہ پانچواں دور اردو بہ اردو لغات سے تعلق رکھتا ہے جس کی معروف لغات فرہنگ آصفیہ، نور اللغات، امیر اللغات، جامع اللغات، لغت کبیر اور اردو لغت (تاریخی اصول پر) قرار دی جا سکتی ہیں۔(۲۶) لغت نویسی کے ان ادوار سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے سمجھنے اور روز مرہ میں استعمال کرنے کے باوجود اردو زبان (عہد سرسید کی ہندوستانی زبان) کی لغت کی ضرورت مستشرقین کے علاوہ مقامی افراد کی معاونت کے لیے بھی ہمیشہ سے رہی ہے جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض کسی بھی لحاظ سے قابل توجہ نہیں۔ اس سے لغت کی ضرورت اور افادیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

لغت زبان اردو کی اہمیت اس بنا پر بھی ہے کہ جس وقت یہ نمونہ شائع ہوا اس وقت جان شیکسپیئر اور ڈنکن فوربس کی لغات سمیت مستشرقین کی کچھ لغات شائع ہو چکی تھیں اور لغت نویسی کے دور پنجم کی اہم ترین لغت فرہنگ آصفیہ کا ڈول ڈالا جا چکا تھا لیکن مستشرقین کی لغات اردو بہ انگریزی لغات تھیں اور فرہنگ آصفیہ کی کوئی واضح صورت سامنے نہیں آئی تھی۔(۲۷) اس لحاظ سے جدید اردو بہ اردو لغت کے اولین نقوش بھی نمونۂ سرسید میں ہی نظر آتے ہیں اور اس نقش اول کو قایم کرنے کے لیے ایک جامع اردو لغت کے طور پر ان کے سامنے کوئی نمونہ موجود تھا، اس بارے میں بھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ با الفاظ دیگر سرسید کا نمونۂ لغت جس وقت شائع ہوا وہ اردو بہ اردو لغات کے دور کا آغاز تھا۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے اس دور میں سرسید کی لغت سے پہلے اردو صرف و نحو کے موضوع پر فارسی عالم امام بخش صہبائی کی کتاب (مطبوعہ ۱۸۴۹ء) کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں، جس کے آخر میں اردو کے محاورات درج ہیں۔ یہ محاورات لغت تو نہیں کہے جا سکتے لیکن اس کی تالیف کے لیے معاون ضرور ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے سید محمد دہلوی کی مفتاح اللغات (۱۸۵۱ء) کا بھی ذکر کیا ہے جس کے متعلق تفصیلات دستیاب نہیں۔(۲۸) اس بیان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ سرسید احمد خاں نے جہاں اور شعبوں میں جدت فکر کا مظاہرہ کیا وہاں لغت نویسی کے میدان میں بھی جدیدیت کو فروغ دیا۔ کیوں کہ سائنٹفک بنیادوں پر پہلی جامع اردو بہ اردو لغت کا خیال سب سے پہلے انھی کے ذہن میں آیا اور جس نہج پر انھوں نے اس کا نمونہ ترتیب دیا بعد کی کچھ معروف اردو لغات کی تدوین کے لیے اس کی تقلید کی گئی۔ انھی میں سے ایک لغت کبیر ہے، جس کے مؤلف ڈاکٹر مولوی عبد الحق نے اس میدان میں سرسید کی دور اندیشی کا اعتراف کرتے ہوئے (۲۹) ان کے نامکمل منصوبے کی تکمیل کے جذبے سے لغت کبیر کی تالیف کا کام شروع کیا جس کا موقع انھیں ۱۹۳۰ء میں جامعہ عثمانیہ کے زیر سایہ میسر آیا۔ جب کہ دوسری اردو لغت بورڈ کی ۲۲ جلدوں پر مشتمل ضخیم لغت بہ عنوان اردو لغت (تاریخی اصول پر) (۱۹۵۸ء۔۲۰۱۰ء) ہے جس کی تکمیل پر محترمہ فرحت فاطمہ رضوی نے اسے سرسید احمد خاں کے

ایک عظیم خواب کی تعبیر قرار دیا ہے۔(۳۰) ان دونوں لغات کی اہمیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔اگرچہ ان میں سے ایک یعنی لغت کبیر نامکمل رہ گئی، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو لغت نویسی کی تاریخ ان دونوں کے ذکر کے بغیر ادھوری ہے۔

غرض درج بالا بحث کے بعد اسی قدر ہی کہا جا سکتا ہے کہ اردو بہ اردو لغت نویسی کے ارتقا میں سیر سید احمد خاں کی لغت زبان اردو کا نمونہ اہم کردار کا حامل ہے۔اگر اس کی بیان کردہ خوبیوں سے صرف نظر کر کے صرف لفظ کی اصل اور اشتقاق کی عدم موجودگی کو موضوع بناتے ہوئے سرسید کی دور اندیشی اور مکمل مساعی کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ درست نہیں کیوں کہ ایک جامع لغت میں اندراجات کے اشتقاقات اور ماخذات کی فراہمی فرد واحد کا کام نہیں بل کہ ایک جماعت کا کام ہے۔لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی لغت نویسی کو عہد حاضر کے جدید اصول لغت نویسی کے تناظر میں پرکھنے کے بجائے ان کے عہد، ماحول اور اپنے وضع کردہ طریق کار کے مطابق دیکھا جائے کیوں کہ سرسید کا دور وہ دور تھا جب اردو لغت نویسی کے متعلق تمام معاملات تلاش وتحقیق کے بجائے ذاتی صلاحیت و قابلیت اور فصاحت کی بنیاد پر طے کیے جاتے تھے۔جب کہ اس نمونے میں سائنٹفک طریقۂ کار کو فروغ دیتے ہوئے جدید اصولوں اور ان کے تقاضوں سے واقف ہونے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔قواعدی نوعیت کی وضاحت،تذکیر و تانیث کا تعین اور معنوی تشریح وتوضیح سمیت بہت سی خصوصیات ایسی ہیں جو اس دور کی اور بعد میں آنے والی بیش تر لغات میں موجود نہیں۔اگرچہ لسانی مآخذ اور اشتقاقات کی کمی بھی قدم قدم پر محسوس ہوتی ہے لیکن اس کی بنا پر ان کی جدیدیت پسندی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ دیگر شعبہ ہائے ادب کی طرح انھوں نے لغت نویسی کے میدان میں بھی جدت اختیار کرتے ہوئے اور اپنے عہد کے مروجہ طریقوں سے انحراف کرتے ہوئے اپنے مقلدین کے لیے ایسا خاکہ فراہم کیا ہے جس پر دنیا کی تیسری اور اردو ادب کی سب سے ضخیم لغت کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔اس لحاظ سے نمونہ لغت زبان اردو کو اردو بہ اردو لغت نویسی کی تاریخ میں ایک اہم اور ناقابل فراموش باب تصور کرتے ہوئے اس کی افادیت کو تسلیم کرنا چاہیے۔

حواشی اور حوالہ جات:

۱۔ عبدالحق، مطالعہ سرسید احمد خاں (علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۸۹ء)،ص۱۳۷

۲۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے ان میں سے کچھ کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں تاریخی مصر قدیم،تاریخ یونان، رسالہ علم فلاحت، تاریخ چین بزبان فارسی، تزک جہاں گیری (قلمی)،رسالہ علم انتظام مدن (پولیٹکل اکانمی)،ایک گفت گو برعہد لارڈ ڈلہوزی و لارڈ کیننگ مترجمہ لفٹیننٹ کرنل گریہم، تاریخ ہند،رسالہ علم آلات، رسالہ طبیعات، رسالہ علم آب و ہوا، رسالہ برقی، دیباچہ تاریخ فیروز شاہی، ٹاڈ ہنٹر کی کتاب اقلیدس،جغرافیہ، سیاست مدن (مل کی کتاب پولیٹکل اکانمی کا انتخاب)، ترجمہ علم مساحت، ترجمہ علم مثلث، ترجمہ الجبرا مبتدیوں کے لیے، ترجمہ نظریہ

مساوات، کال بریتھ اور ہاٹن کی سائنٹفك مینول یو کلڈ ترجمہ، کال بریتھ اور ہاٹن کے سائنٹفك الجبرا کا ترجمہ، برنارڈ سمتھ کی ارتھ میٹك کا ترجمہ، برنارڈ سمتھ کے الجبرا کا ترجمہ، گال بریتھ کی کتاب حساب کا ترجمہ، ٹاڈ ہنٹر کے الجبرا کا ترجمہ، Plainعلم مثلث، Ordinate Geometry–Plain Co، ٹاڈ ہنٹر کی تکمیلی احصار اور تفریقی احصار اور سر جان میلکم کا ترجمۂ تاریخ ایران شامل ہیں۔
مکمل تفصیل کے لیے دیکھیے: عبد الحق، مطالعہ سرسید احمد خاں، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۹ء) ص ۱۴۵

۳۔ مولوی عبدالحق،''سرسید احمد خاں مرحوم کی مجوزہ اردو لغات کا نمونہ''،مشمولہ اردو دہلی،(اکتوبر ۱۹۳۵ء)،ص ۶۲۵

۴۔ مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید،جلد اول(آزاد کشمیر:ارسلان بکس،۲۰۰۰ء)،ص ۴۱۹۔۴۲۰

۵۔ ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' پہلی بار ۳۰/مارچ ۱۸۶۶ء کو سائنٹفک سوسائٹی سے شائع ہوا۔ یہ علی گڑھ کیا خبار کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس کے مدیر خود سرسید احمد خاں تھے۔ یہ اخبار پہلے ہفتہ وار تھا پھر ہفتے میں دو بار نکلنے لگا۔ محترمہ فرحت فاطمہ رضوی نے اردو لغت (تاریخی اصول پر) کی جلد بیست و دوم میں،مولانا الطاف حسین حالی کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے،علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں نمونۂ سرسید کی اشاعت کی تاریخ ۵/فروری ۱۸۶۹ء لکھی ہے اور بتایا ہے کہ اس کا ذکر گارسیں دتاسی کے خطبے میں بھی ہے۔ جب کہ گارسیں دتاسی کے مطابق اسی تاریخ کو علی گڑھ اخبار میں لغت کے نمونے پر تنقید شائع ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے نمونۂ لغت کی اشاعت کی اس تاریخ کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔
تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: فرحت فاطمہ رضوی،''ایک عظیم خواب کی تعبیر'' مشمولہ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد بیست و دوم (کراچی: اردو لغت بورڈ،۲۰۱۰ء)،ص vi
گارساں دتاسی، خطبات گارساں دتاسی،حصہ دوم،(کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،۱۹۷۴ء)،ص ۲۹۰–۲۹۱
یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر نظر مضمون میں گارسیں دتاسی کے نام کے لیے دو طرح کا املا اختیار کیا گیا ہے۔ راقمہ کے نزدیک اصل املا'' گارسیں دتاسی'' ہے اس لیے عبارت میں یہی املا نظر آئے گا۔ تاہم کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے سرورق پر دیے گئے املا یعنی'' گارساں دتاسی'' کو ہی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۶۔ گارساں دتاسی، خطبات گارساں دتاسی،حصہ دوم(کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،۱۹۷۴ء)،ص ۲۹۰۔۲۹۱

۷۔ مولوی عبدالحق،''سرسید احمد خاں مرحوم کی مجوزہ اردو لغات کا نمونہ''،ص ۶۲۵ –۶۳۸

۸۔ محمد اسماعیل پانی پتی،''نمونہ لغت زبان اردو'' مشمولہ مقالات سرسید، حصہ ہفتم (لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۹۱ء)، ص ۲۳۰۔۲۴۸

۹۔ مولانا الطاف حسین حالی،حیات جاوید،ص ۴۹۱۔۴۲۰

۱۰۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی،سرسید کا علمی کارنامہ(کراچی:اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ،۱۹۸۶ء)،ص ۶۵۔۶۸

۱۱۔ ڈاکٹر سید عبداللہ،سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ (اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء)،ص ۴۰–۴۱

۱۲۔ ابوالحسنات،''خواب سرسید'' مشمولہ اردو لغت(یادگاری مضامین)، مرتبہ ابوالحسنات (ناظم آباد:خواجہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز،۲۰۱۰ء)،ص ۹۔۱۲

۱۳۔ اس تنقیدی جائزے کے لیے راقمہ نے دستیاب نمونوں میں قدیم ترین نمونۂ لغت یعنی مطبوعہ ۱۹۳۵ء کو بنیاد بنایا ہے۔جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بعد کے نمونے اسی نمونے سے منقول ہیں مزید براں اُن میں املا اور دیگر مشمولات لغت کے حوالے سے تحریف بھی نظر آتی ہے۔

۱۴۔ مولوی عبدالحق،''سرسید احمد خاں مرحوم کی مجوزہ اردو لغات کا نمونہ''،ص ۶۲۷

۱۵۔ ایضاً،ص ۶۳۳

۱۶۔ سرسید احمد خان کی اس قواعد زبان کا نام قواعد صرف و نحو زبان اردو ہے جس کا زمانہ تصنیف ۵/مارچ تا ۲۴/دسمبر ۱۸۴۰ء بنایا جاتا ہے۔اس کا مخطوطہ اٹاوہ کے مولوی بشیر الدین کے ذخیرۂ کتب میں تھا،جو ان کے انتقال کے بعد سے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی،علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری کی ملکیت بن گیا اور اب وہ''اٹاوہ کلیکشن''میں محفوظ ہے۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

سرسید احمد خان، قواعد صرف و نحو زبان اردو مرتبہ ابو سلمان شاہجہانپوری(کراچی:ادارۂ تصنیف و تحقیق پاکستان،۱۹۹۰ء)

۱۷۔ مولوی عبدالحق،''سرسید احمد خاں مرحوم کی مجوزہ اردو لغات کا نمونہ''،ص ۶۲۷

۱۸۔ ایضاً،ص ۶۳۵

۱۹۔ ایضاً،ص ۶۲۸

۲۰۔ ایضاً،ص ۶۳۰

۲۱۔ ایضاً،ص ۶۳۰

۲۲۔ ایضاً،ص ۶۳۱-۶۳۲

۲۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے:

گارساں دتاسی،خطبات گارساں دتاسی،حصہ دوم(کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،۱۹۷۴ء)،ص ۲۹۰

مولوی عبدالحق،''سرسید احمد خاں مرحوم کی مجوزہ اردو لغات کا نمونہ''مشمولہ اردو دہلی،(اکتوبر ۱۹۳۵ء)،ص ۶۲۶۔۶۲۷

۲۴۔ گارساں دتاسی،خطبات گارساں دتاسی،ص ۲۹۰

۲۵۔ ایضاً،ص ۲۹۰۔۲۹۱

۲۶۔ رؤف پاریکھ،ڈاکٹر،لغوی مباحث (لاہور:مجلس ترقی ادب،۲۰۱۵ء)،ص ۱۱۔۴۲

۲۷۔ فرہنگ آصفیہ کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد دہلوی نے ۱۸۶۸ء میں اس کی تالیف کا آغاز کر دیا تھا۔یہ اولاً مصطلحات اردو کے نام سے ۱۸۷۱ء اور بعد ازاں لغات اردو (ارمغان دہلی) کے عنوان سے ۱۸۷۸ء میں شائع ہوئی۔جب کہ فرہنگ آصفیہ کے نام سے اس کی پہلی جلد ۱۸۸۸ء میں منظر عام پر آئی۔

۲۸۔ رؤف پاریکھ،ڈاکٹر،لغوی مباحث،ص ۲۶

۲۹۔ مولوی عبدالحق،''سرسید احمد خاں مرحوم کی مجوزہ اردو لغات کا نمونہ''،ص ۶۲۶

۳۰۔ فرحت فاطمہ رضوی،''ایک عظیم خواب کی تعبیر''،ص vi